فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۹۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: روزوں کا فدیہ کیا ہے؟

جواب: روزوں کا فدیہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو درمیانے درجے کا ایک وقت کھانا کھلا دے۔ دو وقت کھانا کھلانے پر کوئی دلیل معلوم نہیں ہو سکی۔ تمام روزوں کا فدیہ ایک ہی دن بھی دیا جا سکتا ہے، نیز ایک مسکین کو بھی تمام روزوں کا فدیہ دیا جا سکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ فدیہ میں اناج دیا جائے، البتہ اگر کوئی برابر قیمت یا راشن وغیرہ دے دے، تو کوئی حرج نہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حاملہ کے بارے میں پوچھا گیا، جسے اپنے بچے کے نقصان کا خطرہ ہے، فرمایا:

''وہ روزہ چھوڑ دے، اس کے بدلے میں ایک مسکین کو ایک ''مد'' (تقریباً نصف کلوگرام) گندم دے دے۔''

(السّنن الکبرٰی للبیهقي : 230/4، وسندهٗ صحیحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حاملہ نے روزے کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا:

أَفْطِرِي، وَأَطْعِمِي عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَّلَا تَقْضِي .

''روزہ چھوڑ دیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، قضا نہ دیں۔''

(سنن الدّارقطني :207/1، ح : 2363، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹی ایک قریشی کے نکاح میں تھیں، وہ حاملہ تھیں، رمضان میں اس نے پیاس محسوس کی، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ روزہ چھوڑ دیں، ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

(سنن الدّارقطني :207/1، ح : 2364، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ﴾(البقرة : ١٨٤) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أُثْبِتَتْ لِلْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ .

''یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لیے ثابت (غیر منسوخ) رکھی گئی ہے۔''

(سنن أبي داود : 2317، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سعید بن جبیر رحمہ اللہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جو اپنے بچے کے حوالے سے خائف ہو، کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ نہ رکھیں، ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، چھوڑے ہوئے روزے کی قضائی بھی ان دونوں پر نہیں ہے۔

(مصنّف عبد الرّزاق : 216/4، ح : 7555، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ (تفسیر طبری : ۲۷۵۸، وسندہ حسن) اور عکرمہ رحمہ اللہ (تفسیر طبری: ۲۷۴۸، وسندہ صحیح) کا بھی یہی موقف ہے۔

سوال: کیا کلام الٰہی صوت وحروف کا نام ہے؟

جواب: قرآن اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے صوت وحروف کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اسے کلام معنوی کہنا واضح الحاد ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ كَلَامَ اللّٰهِ هَلْ هُوَ حَرْفٌ وَّصَوْتٌ أَمْ لَا؟ فَإِنَّ إِطْلَاقَ الْجَوَابِ فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ نَفْيًا وَإِثْبَاتًا خَطَأٌ وَهِيَ مِنَ الْبِدَعِ الْمُوَلَّدَةِ الْحَادِثَةِ بَعْدَ الْمِائَةِ الثَّالِثَةِ لَمَّا قَالَ قَوْمٌ مِنْ مُتَكَلِّمَةِ الصِّفَاتِيَةِ : إِنَّ كَلَامَ اللّٰهِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلٰى أَنْبِيَائِهِ كَالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَالَّذِي لَمْ يُنَزِّلْهُ وَالْكَلِمَاتِ الَّتِي كَوَّنَ بِهَا الْكَائِنَاتِ وَالْكَلِمَاتِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلٰى أَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَخَبَرِهٖ لَيْسَتْ إِلَّا مُجَرَّدَ مَعْنًى وَاحِدٍ هُوَ صِفَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِاللّٰهِ إِنْ عُبِّرَ عَنْهَا بِالْعِبْرَانِيَةِ كَانَتِ التَّوْرَاةَ وَإِنْ عُبِّرَ عَنْهَا بِالْعَرَبِيَّةِ كَانَتِ الْقُرْآنَ وَإِنَّ الْأَمْرَ وَالنَّهْيَ وَالْخَبَرَ صِفَاتٌ لَّهَا لَا أَقْسَامٌ لَهَا وَإِنَّ حُرُوفَ الْقُرْآنِ مَخْلُوقَةٌ خَلَقَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ بِهَا وَلَيْسَتْ مِنْ كَلَامِهٖ؛ إِذْ كَلَامُهٗ لَا يَكُونُ بِحَرْفٍ وَصَوْتٍ، عَارَضَهُمْ آخَرُونَ مِنَ الْمُثْبِتَةِ فَقَالُوا : بَلِ الْقُرْآنُ هُوَ الْحُرُوفُ وَالْأَصْوَاتُ وَتَوَهَّمَ قَوْمٌ أَنَّهُمْ يَعْنُونَ بِالْحُرُوفِ الْمِدَادَ وَبِالْأَصْوَاتِ أَصْوَاتَ الْعِبَادِ وَهٰذَا لَمْ يَقُلْهُ عَالِمٌ، وَالصَّوَابُ الَّذِي عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ كَالْإِمَامِ أَحْمَدَ وَالْبُخَارِيِّ صَاحِبِ الصَّحِيحِ فِي كِتَابِ خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَغَيْرِهٖ وَسَائِرِ الْأَئِمَّةِ قَبْلَهُمْ وَبَعْدَهُمْ أَتْبَاعُ

النُّصُوصِ الثَّابِتَةِ وَإِجْمَاعِ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَهُوَ أَنَّ الْقُرْآنَ جَمِيعَهٗ كَلَامُ اللّٰهِ حُرُوفُهٗ وَمَعَانِيهِ لَيْسَ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ كَلَامًا لِغَيْرِهٖ؛ وَلٰكِنْ أَنْزَلَهٗ عَلٰى رَسُولِهٖ وَلَيْسَ الْقُرْآنُ اسْمًا لِمُجَرَّدِ الْمَعْنٰى وَلَا لِمُجَرَّدِ الْحَرْفِ؛ بَلْ لِمَجْمُوعِهِمَا وَكَذٰلِكَ سَائِرِ الْكَلَامِ لَيْسَ هُوَ الْحُرُوفَ فَقَطْ؛ وَلَا الْمَعَانِي فَقَطْ، كَمَا أَنَّ الْإِنْسَانَ الْمُتَكَلِّمَ النَّاطِقَ لَيْسَ هُوَ مُجَرَّدَ الرُّوحِ وَلَا مُجَرَّدَ الْجَسَدِ؛ بَلْ مَجْمُوعُهُمَا، وَأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَتَكَلَّمُ بِصَوْتٍ كَمَا جَاءَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ الصِّحَاحُ وَلَيْسَ ذٰلِكَ كَأَصْوَاتِ الْعِبَادِ لَا صَوْتِ الْقَارِءِ وَلَا غَيْرِهٖ، وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ لَا فِي ذَاتِهٖ وَلَا فِي صِفَاتِهٖ وَلَا فِي أَفْعَالِهٖ، فَكَمَا لَا يُشْبِهُ عِلْمُهٗ وَقُدْرَتُهٗ وَحَيَاتُهٗ عِلْمَ الْمَخْلُوقِ وَقُدْرَتَهٗ وَحَيَاتَهٗ، فَكَذٰلِكَ لَا يُشْبِهُ كَلَامُهٗ كَلَامَ الْمَخْلُوقِ وَلَا مَعَانِيهِ تُشْبِهُ مَعَانِيَهٗ وَلَا حُرُوفُهٗ تُشْبِهُ حُرُوفَهٗ وَلَا صَوْتُ الرَّبِّ يُشْبِهُ صَوْتَ الْعَبْدِ فَمَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِخَلْقِهٖ فَقَدْ أَلْحَدَ فِي أَسْمَائِهٖ وَآيَاتِهٖ وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ فَقَدْ أَلْحَدَ فِي أَسْمَائِهٖ وَآيَاتِهٖ .

’’کلام اللہ کیا حرف وصوت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب دینا خطا ہے۔ یہ بدعت ہے اور تیسری صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ یہ بدعی

نظریہ ہے، جس کا آغاز تین سو سال کے بعد اس وقت ہوا، جب صفات (کا انکار کرنے والے) اہل کلام کی ایک جماعت نے کہا: ''اللہ کا وہ کلام جو انبیا پر نازل ہوا، مثلاً تورات، انجیل اور قرآن۔ اور وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیا، وہ کلمات جن سے کائنات کی تخلیق کی اور وہ کلمات، جو اللہ تعالیٰ کے حکم، نہی اور خبر پر مشتمل ہیں، وہ فقط ایک معنوی کلام ہے، ایک صفت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اسے عبرانی میں تعبیر کیا گیا، تو تورات بن گئی، عربی میں تعبیر کیا گیا، تو قرآن بن گیا۔ اور امر، نہی اور خبر ان کی صفات ہیں، اقسام نہیں۔ قرآن کے حروف مخلوق ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے، ان سے کلام نہیں کیا اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہیں، کیونکہ باری تعالیٰ کا کلام نہ حرف کے ساتھ ہوتا ہے اور نہ صوت (آواز) کے ساتھ۔''

ان (اہل کلام) کی مخالفت دوسروں نے کی، جو (کلام الٰہی کے صوت و حروف کا) اثبات کرتے ہیں، انہوں نے کہا: بلکہ قرآن حروف اور اصوات (آواز) پر مشتمل ہے۔ کچھ لوگوں کو وہم ہوا کہ ان اہل علم نے حروف سے (مصحف کی) سیاہی اور اصوات سے (قرآن کی تلاوت کرنے والے) بندوں کی آوازیں مراد لی ہے۔ حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی عالم نہیں ہے۔ درست بات، جس پر سلف امت ہیں، جیسے امام احمد بن حنبل، صاحب صحیح امام بخاری رحمہ اللہ نے (اپنی کتاب) خلق افعال العباد وغیرہ میں اور ان سے پہلے اور بعد کے اہل علم ہیں، وہ یہ کہ ثابت نصوص اور سلف اُمت کے اجماع کا اتباع کیا جائے، سلف کا اجماع ہے کہ قرآن پورے کا پورا کلام اللہ ہے، اس کے حروف بھی اور اس کے

معانی بھی، اس میں سے کوئی چیز بھی غیر اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اور قرآن صرف معنوی یا صرف حرف کا نام نہیں، بلکہ معنوی اور حروف دونوں پر مشتمل ہے، اسی طرح دیگر کلام بھی نہ صرف حروف ہیں اور نہ صرف معانی ہیں، (بلکہ حروف اور معانی دونوں پر مشتمل ہیں۔) جیسے ایک انسان جو کلام کر سکتا ہے، بول سکتا ہے، وہ صرف روح یا صرف جسم پر مشتمل نہیں، بلکہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آواز کے ساتھ کلام کرتا ہے، جیسا کہ اس بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں، البتہ یہ بندوں کی آواز کی طرح نہیں ہے، نہ کسی قاری کی آواز کی طرح اور نہ کسی دوسرے کی، اللہ تعالیٰ کے ہم مثل کوئی شے نہیں، نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ تو جس طرح باری تعالیٰ کا علم، قدرت اور حیات، مخلوق کے علم، قدرت اور حیات کے مشابہ نہیں، بالکل اسی طرح باری تعالیٰ کا کلام مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں، نہ اس کے معانی مخلوق کے معانی کے مشابہ ہیں، نہ اس کے حروف مخلوق کے حروف کے مشابہ ہیں، نہ رب تعالیٰ کی آواز مخلوق کی آواز کے مشابہ ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی، اس نے باری تعالیٰ کے اسماء اور آیات میں الحاد کیا اور جس نے اس صفت کا انکار کیا، جس نے اس نے خود کو متصف کیا، تو اس نے بھی اللہ کے اسما اور آیات میں الحاد کیا۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 12/243)

سوال: درج ذیل عبارت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے:

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں، لیس کمثلہ شیءوہ نور ہے، نار سے پاک ہے، نور و نار اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، وہ جسم اور مادہ صورت اور شکل۔ رنگت اور رُوپ سب سے منزہ ہے، یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، وہ مکان اور زمان، جہت اور جانب، دائیں اور بائیں، آگے، پیچھے، آسمان وزمین سب سے منزہ اور بلند ہے، یہ سب چیزیں محدودات کے لیے ہیں، اجسام کے لیے ہیں، وہ لامحدود اور غیر مجسم ہے۔ یہ چیزیں کمزوری کی وجہ سے ہیں، وہ ہر قسم کی کمزوری سے پاک اور اعلیٰ ہے، وہ سب جگہ ہے اور کسی جگہ مقید نہیں ہے، وہ سب کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور کوئی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا، وہ سب سے قوی تر اور بلند ہے، کوئی اس جیسی قدرت اور بلندی نہیں رکھتا، وہ ہر قسم کی شوکت وعظمت رکھتا ہے، کوئی اس کے سامنے شوکت اور دبدبہ نہیں رکھتا ہے وہ سب کے قریب ہے، مگر ہر مکان سے منزہ ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے مخلوق اور اس کا محتاج حادث اور فانی ہے، وہ سب کو پیدا کرنیوالا ہے، سب سے مستغنی ابدی اور ازلی ہے۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج1، ص391)

جواب: یہ گمراہ صوفیا کا عقیدہ ہے، اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا قطعا جائز نہیں۔ اہل سنت والجماعت اس عقیدہ سے بری ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں، جو اس نے اپنے لیے اپنی کتاب میں نازل کی ہے یا اس کے رسول ﷺ نے احادیث میں بیان کردی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت جو عقیدہ رکھتے ہیں، وہی حق ہے۔ اہل کلام کا عقیدہ باطل ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالْآثَارِ مِنْ جَمِيعِ الْأَمْصَارِ أَنَّ أَهْلَ الْكَلَامِ أَهْلُ بِدَعٍ وَزَيْغٍ .

''ہر علاقہ کے فقہا و محدثین کا اجماع ہے کہ اہل کلام اہل بدعت و زیغ ہیں۔''

(جامع بيان العلم وفضله : 942/2)

اہل کلام اس لیے اہل بدعت ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ کچھ بیان کرتے ہیں، جو قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ اسلم، احکم اور اعلم ہے۔ ائمہ نے عظیم قواعد بیان کیے ہیں۔

❀ علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ لَنَا أَنْ نَصِفَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِمَا لَمْ يَصِفْ بِهٖ نَفْسَهٗ وَلَا وَصَفَهٗ بِهٖ رَسُولُهٗ نَفْيًا وَّلَا إِثْبَاتًا، وَّإِنَّمَا نَحْنُ مُتَّبِعُونَ لَا مُبْتَدِعُونَ، فَالْوَاجِبُ أَنْ يُنْظَرَ فِي هٰذَا الْبَابِ، أَعْنِي بَابَ الصِّفَاتِ، فَمَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَثْبَتْنَاهُ، وَمَا نَفَاهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ نَفَيْنَاهُ، وَالْأَلْفَاظُ الَّتِي وَرَدَ بِهَا النَّصُّ يُعْتَصَمُ بِهَا فِي الْإِثْبَاتِ وَالنَّفْيِ، فَنُثْبِتُ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ مِنَ الْأَلْفَاظِ وَالْمَعَانِي، وَأَمَّا الْأَلْفَاظُ الَّتِي لَمْ يَرِدْ نَفْيُهَا وَلَا إِثْبَاتُهَا فَلَا تُطْلَقُ حَتّٰى يُنْظَرَ فِي مَقْصُودِ

قَائِلِهَا، فَإِنْ كَانَ مَعْنًى صَحِيحًا قُبِلَ، لٰكِنْ يَنْبَغِي التَّعْبِيرُ عَنْهُ بِأَلْفَاظِ النُّصُوصِ، دُونَ الْأَلْفَاظِ الْمُجْمَلَةِ، إِلَّا عِنْدَ الْحَاجَةِ، مَعَ قَرَائِنَ تُبَيِّنُ الْمُرَادَ، وَالْحَاجَةَ مِثْلُ أَنْ يَكُونَ الْخِطَابُ مَعَ مَنْ لَا يَتِمُّ الْمَقْصُودُ مَعَهُ إِنْ لَّمْ يُخَاطَبْ بِهَا، وَنَحْوُ ذٰلِكَ .

''ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے متصف کریں، جن کے ساتھ اس نے خود کو یا اس کے رسول نے اسے متصف نہیں کیا، نہ نفی کی صورت میں اور نہ اثبات میں۔ ہم تو اتباع کرنے والے لوگ ہیں، بدعتی نہیں ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ صفات کے بات میں غور کیا جائے۔ جس کا اثبات اللہ اور اس کے رسول نے کیا، ہم اس کا اثبات کرتے ہیں اور جس کی اللہ اور اس کے رسول نے نفی کی، ہم اس کی نفی کرتے ہیں۔ جو الفاظ نص میں وارد ہوئے ہیں، نفی اور اثبات میں ہم انہیں ہی اختیار کرتے ہیں، لہٰذا ہم انہی الفاظ ومعانی کا اثبات کرتے ہیں، جن کا اللہ اور اس کے رسول نے اثبات کیا۔ جن الفاظ کا اطلاق اللہ اور اس کے رسول نے نہیں کیا، انہیں تب تک نہیں بولا جا سکتا، جب تک بولنے والے کے مقصود کو نہ جان لیا جائے، اگر اس کا معنی صحیح ہو، تو صحیح ہے، لیکن اس کے لیے کوئی صریح لفظ بولا جائے، مجمل نہیں، الا کہ ضرورت ہو، ساتھ ایسے قرائن ہوں، جو اس کا پتہ دیں۔ ضرورت اس صورت میں کہ مثلاً کسی ایسے شخص سے گفتگو ہو کہ جس سے اگر ان الفاظ میں بات نہ کی جائے تو وہ مقصود کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر رہے، یا اس طرح کی کوئی اور وجہ۔''

(شرح العقیدۃ الطّحاویۃ، ص 218)

❁ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ تَأْوِيلَ السَّلَفِ إِنْ صَدَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ فَهُوَ مَقْبُولٌ لِّأَنَّهُمْ سَمِعُوهُ مِنَ الرَّسُولِ وَإِنْ صَدَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ وَتَابَعَهُمْ عَلَيْهِ الْأَئِمَّةُ قَبِلْنَاهُ وَإِنْ تَفَرَّدَ نَبَذْنَاهُ وَأَعْرَضْنَا عَنْهُ إِعْرَاضَنَا عَنِ تَأْوِيلِ الْخَلَفِ .

''اگر صفات کی تاویل صحابہ سے صادر ہوئی ہو، تو مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ تاویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہے۔ اگر یہ تاویل کسی اور سے منقول ہو اور ائمہ نے اس پر متابعت بھی کی ہو، تو تب بھی قبول ہے اور اگر اس تاویل میں منفرد ہو، تو ہم وہ تاویل چھوڑ دیں گے اور اس سے ایسے اعراض برتیں گے، جیسے خلف کی تاویل سے اعراض کیا جاتا ہے۔''

(بیان تلبیس الجَهمیّة : 409/6)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ النِّزَاعُ فِي إِطْلَاقِ لَفْظٍ، وَقَدْ أَطْلَقَهُ أَحَدُ هٰؤُلَاءِ الْعُلَمَاءِ، إِمَّا آثِرًا، وَّإِمَّا ذَاكِرًا، وَسَمِعَهُ النَّاسُ مِنْهُ وَنَقَلُوهُ عَنْهُ وَلَمْ يُعْرَفْ أَنَّ أَحَدًا أَنْكَرَهُ، عُلِمَ أَنَّ عُلَمَاءَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ بِمِثْلِ هٰذَا اللَّفْظِ، وَأَنَّ الْمُتَكَلِّمَ بِهٖ لَيْسَ خَارِقًا لِّلْإِجْمَاعِ وَلَا مُبْتَدِعًا لَفْظًا لَّمْ يُسْبَقْ عَلَيْهِ .

''اختلاف لفظ کے استعمال میں ہے، ان اہل علم میں سے کسی نے لفظ کا اطلاق

کیا، اپنی بات کرتے ہوئے یا کسی کی بات نقل کرتے ہوئے اور لوگوں نے اس سے وہ لفظ سنا، اسے نقل کیا، یہ بھی نہیں کہ کسی نے اس پر رد کیا ہو، تو ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے علمائے کرام اس جیسے لفظ بول لیا کرتے تھے اور ایسا لفظ بولنے والا اجماع کا مخالف نہیں ہے اور نہ ہی کسی بدعی لفظ کا موجد کہ جو اس سے پہلے کسی نے استعمال نہ کیا ہو۔''

(الرّد على البِكري، ص 154)

سوال: درج ذیل اثر کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ، فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ، يُقَاتِلُونَ عَلٰى دِينِهٖ.

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب بندوں کے دلوں سے بہترین پایا، تو اسے اپنی نبوت کے لیے منتخب فرما لیا اور رسالت دے کر مبعوث فرمایا، پھر محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو سب سے بہترین پایا، تو انہیں اپنے نبی کے وزیر (اور ساتھی) بنا دیا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے قتال کرتے ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد: 3600)

(جواب): اس کی سند حسن ہے۔

(سوال): درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ بَشِيرٌ يُبَشِّرُهُ بِظَفَرِ جُنْدٍ لَهُ عَلٰى عَدُوِّهِمْ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَائِشَةَ فَقَامَ فَخَرَّ سَاجِدًا، ثُمَّ أَنْشَأَ يُسَائِلُ الْبَشِيرَ، فَأَخْبَرَهُ فِيمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَلِيَ أَمْرَهُمُ امْرَأَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْآنَ هَلَكَتِ الرِّجَالُ إِذَا أَطَاعَتِ النِّسَاءَ، هَلَكَتِ الرِّجَالُ إِذَا أَطَاعَتِ النِّسَاءَ ثَلَاثًا.

''آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، اسی اثنا میں ایک شخص آیا اور اس نے خوشخبری سنائی کہ ان کے لشکر کو دشمن پر فتح حاصل ہوگئی ہے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور سجدہ شکر بجالائے، پھر آنے والے سے تفصیل معلوم کرنے لگے۔ پھر اس نے خبر دی کہ ان کے لشکر کی کمان ایک عورت نے سنبھال لی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اگر مرد عورت کی اطاعت کرلیں گے، تو وہ برباد ہوجائیں گے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی۔''

(مسند الإمام أحمد: 20455)

(جواب): سند ضعیف ہے۔ بکار بن عبدالعزیز بن ابی بکرہ جمہور کے ہاں ضعیف ہے۔

(سوال): گناہوں پر تقدیر کو دلیل بنانا کیسا ہے؟

(جواب): بعض لوگ گناہوں کو تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں، مثلاً قتل، زنا، چوری جیسے گناہ کر کے کہتے ہیں: میرا کیا قصور؟ تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔ ایسا کہنا بذات خود گناہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، لیکن اسے ذنوب وعیوب پر دلیل بنانا جائز نہیں۔

مسئلہ تقدیر میں دو انتہائیں ہیں، ایک انتہا یہ ہے کہ ہم مجبور محض ہیں، جو کچھ تقدیر میں لکھ دیا گیا، ہم وہی کرنے پر مجبور ہیں، لہٰذا ہم سے گناہوں کا کوئی حساب نہیں ہوگا، اس کا قائل جبریہ فرقہ ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے، اس میں اللہ کی مشیت شامل نہیں، یہ نظریہ قدریہ کا ہے۔

لیکن اہل سنت ہمیشہ کی طرح راہ اعتدال پر ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے، سب تقدیر میں ہے، لیکن انسان کو کسی کام پر مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی اتنا آزاد کیا گیا کہ وہ رب تعالیٰ کی مشیت سے ہی نکل جائے، اسے نیکی و بدی کی راہنمائی کی گئی ہے، باقی اختیار اسے دیا گیا ہے، بالفاظ دیگر اعمال کا خالق اللہ اور "کاسب" (سرانجام دینے والا) انسان ہے۔

اب یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب کچھ پہلے سے ہی تقدیر میں درج ہے، تو اپنے اعمال پر تقدیر کو دلیل کیوں کر بنانا جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مصائب پر تقدیر کا سہارا لیا جا سکتا ہے، کیونکہ مصائب سے دوچار آدمی کے لیے اب سہارا صرف تقدیر ہی رہ جاتا ہے، لیکن اپنا گناہوں اور عیوب پر تقدیر کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقَدْرُ يُؤْمَنُ بِهٖ وَلَا يُحْتَجُّ بِهٖ، بَلِ الْعَبْدُ مَأْمُورٌ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى

الْقَدْرِ عِنْدَ الْمَصَائِبِ، وَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عِنْدَ الذُّنُوبِ وَالْمَعَايِبِ كَمَا قَالَ تَعَالٰی : ﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾

''تقدیر پر ایمان لایا جائے گا، اسے (معائب پر) دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ انسان کو مصائب کے وقت تقدیر کی طرف رجوع کا حکم ملا ہے اور گناہوں وعیوب کے وقت توبہ واستغفار کا کہا گیا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾

''(نبی!) صبر کیجئے، اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنے گناہوں پر استغفار کیجیے۔''

(اقتصاد الصّراط المستقیم : 389/2)

❀ علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْقَدَرَ يُحْتَجُّ بِهٖ عِنْدَ الْمَصَائِبِ، لَا عِنْدَ الْمَعَائِبِ .

''تقدیر کو مصائب پر دلیل بنایا جائے گا، عیوب پر نہیں۔''

(شرح العقیدة الطّحاویة، ص 147)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰی عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰی، قَالَ مُوسٰی : أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهٖ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهٖ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَ آدَمُ : أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَأَعْطَاكَ

الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ، قَالَ مُوسٰى : بِأَرْبَعِينَ عَامًا، قَالَ آدَمُ : فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾، قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : أَفَتَلُومُنِي عَلٰى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهٗ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى .

''رب تعالیٰ کے پاس آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہوئی۔ آدم علیہ السلام دلیل میں غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ آدم ہیں کہ جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، آپ میں روح پھونکی، مسجود ملائکہ بنایا اور جنت میں ٹھکانا دیا، پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے سب کو زمین پر اتار دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں، جنہیں اللہ نے رسالت اور کلام کے چنا ہے، آپ کو تختیاں عطا کیں کہ جن میں ہر چیز کی وضاحت ہے، سرگوشی کے لیے اپنے قریب کیا۔ بھلا اللہ نے میری تخلیق سے کتنا پہلے تورات لکھی تھی؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: چالیس سال پہلے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا : کیا آپ نے اس میں یہ آیت : ﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ دیکھی ہے؟ فرمایا: جی ہاں، آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں کہ جو اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے ہی میرے متعلق لکھ دیا تھا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

(صحيح البخاري : 4736، صحيح مسلم : 2652، واللّفظ لهٗ)

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ ضَلَّتْ فِيهِ طَائِفَتَانِ، طَائِفَةٌ كَذَّبَتْ بِهِ لَمَّا ظَنُّوا أَنَّهٗ يَقْتَضِي رَفْعَ الذَّمِّ وَالْعِقَابِ عَمَّنْ عَصَى اللّٰهَ لِأَجْلِ الْقَدَرِ، وَطَائِفَةٌ شَرٌّ مِنْ هٰؤُلَاءِ جَعَلُوهُ حُجَّةً وَقَدْ يَقُولُونَ : الْقَدَرُ حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْحَقِيقَةِ الَّذِينَ شَهِدُوهُ أَوِ الَّذِينَ لَا يَرَوْنَ أَنَّ لَهُمْ فِعْلًا، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ قَالَ : إِنَّمَا حَجَّ آدَمُ مُوسٰى لِأَنَّهٗ أَبُوهُ أَوْ لِأَنَّهٗ كَانَ قَدْ تَابَ أَوْ لِأَنَّ الذَّنْبَ كَانَ فِي شَرِيعَةٍ وَاللَّوْمَ فِي أُخْرٰى أَوْ لِأَنَّ هٰذَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا دُونَ الْأُخْرٰى، وَكُلُّ هٰذَا بَاطِلٌ، وَلٰكِنَّ وَجْهَ الْحَدِيثِ أَنَّ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَلُمْ أَبَاهُ إِلَّا لِأَجْلِ الْمُصِيبَةِ الَّتِي لَحِقَتْهُمْ مِنْ أَجْلِ أَكْلِهٖ مِنَ الشَّجَرَةِ فَقَالَ لَهٗ : لِمَاذَا أَخْرَجْتَنَا وَنَفْسَك مِنَ الْجَنَّةِ؟ لَمْ يَلُمْهُ لِمُجَرَّدِ كَوْنِهٖ أَذْنَبَ ذَنْبًا وَتَابَ مِنْهُ؛ فَإِنَّ مُوسٰى يَعْلَمُ أَنَّ التَّائِبَ مِنَ الذَّنْبِ لَا يُلَامُ وَهُوَ قَدْ تَابَ مِنْهُ أَيْضًا وَلَوْ كَانَ آدَمَ يَعْتَقِدُ رَفْعَ الْمَلَامِ عَنْهُ لِأَجْلِ الْقَدَرِ لَمْ يَقُلْ : ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾، وَالْمُؤْمِنُ مَأْمُورٌ عِنْدَ الْمَصَائِبِ أَنْ يَصْبِرَ وَيُسَلِّمَ وَعِنْدَ الذُّنُوبِ أَنْ يَسْتَغْفِرَ وَيَتُوبَ .

''اس حدیث میں دو فرقے گمراہ ہو گئے۔ایک نے تو اس حدیث کا ہی انکار کر دیا اور یہ گمان کر بیٹھا کہ یہ حدیث متقاضی ہے کہ تقدیر کی وجہ سے اللہ کے نافرمان سے ذم وعقاب ختم ہوتا ہے۔ دوسرا فرقہ اس سے بھی برا ہے، انہوں نے اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے: تقدیر ان اہل حقیقت کی دلیل ہے، جو اس کی گواہی دیتے ہیں یا ان کی، جو خود کو فعل کے ذمہ دار نہیں سمجھتے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام پر تقدیر کو دلیل اس لیے بنایا، کیوں کہ وہ باپ تھے یا اس لیے کہ وہ اس غلطی سے تائب ہو گئے تھے یا اس لیے کہ ایک شریعت میں وہ غلطی تھی اور دوسری میں ملامت تھی یا اس لیے کہ یہ بات دنیا کی ہے، نہ کہ آخرت کی۔ یہ سب تاویلات باطل ہیں۔

جبکہ حدیث کا درست مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے باپ کو صرف اس مصیبت پر ملامت کیا، جو انہیں اس لیے لاحق ہوئی کہ آدم علیہ السلام نے درخت کھا لیا تھا، لہٰذا انہیں کہا: آپ ہمیں اور خود کو جنت سے نکالنے کا سبب کیوں بنے؟ ایسا نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف گناہ کرنے اور اس سے تائب ہونے پر ملامت کیا ہو، کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ گناہ سے توبہ کرنے والے کو ملامت کرنا جائز نہیں، جب کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی توبہ کر لی تھی۔ اگر آدم علیہ السلام تقدیر کا سہارا لے کر خود سے ملامت ختم کرنے کا اعتقاد رکھتے ہوتے، تو یہ دعا کبھی نہ کرتے: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ''ہمارے رب! ہم نے خود پر ظلم کیا، اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا، تو ہم خسارہ پانے والے ہو جائیں گے۔'' مومن

کو مصیبت کے وقت صبر کرنے اور فیصلہ پر راضی ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ کے وقت توبہ استغفار کا۔''

(مَجموع الفتاوٰی :11/258-259)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''گناہ پر تقدیر کو دلیل بنانا ایک جگہ مفید ہوتا ہے اور دو جگہ نقصان دہ۔ مفید تب ہوتا ہے، جب گناہ کر کے توبہ کر لی جائے اور اس پر ہمیشگی کو ترک کر دیا جائے، جیسا کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس موقع پر تقدیر کو دلیل بنانا توحید باری تعالیٰ اور اسما و صفات کی معرفت ہے۔ نیز یہ کہنے والے اور سننے والے کے لیے مفید ہے، کیوں کہ وہ تقدیر سے کسی حکم یا ممانعت کو رد نہیں کر رہا اور نہ کوئی شرعی مسئلہ کو جھٹلا رہا ہے، بلکہ وہ توحید پر مبنی حق کا آشکارا کر رہا ہے اور خود سے نیکی کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی قوت کا انکار کر رہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کر رہے ہیں، جو میری تخلیق سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا؟ کیوں کہ انسان جب گناہ کر کے تائب ہو جائے اور اس کی قباحت بھی زائل ہو جائے، تو اسے تنبیہ و ملامت کرنا بہتر ہے، بجائے اس سے کہ وہ تقدیر کو دلیل بناتے ہوئے کہے: یہ معاملہ تخلیق سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے تقدیر کے سہارے حق کو رد نہیں کیا اور نہ ہی اسے باطل پر دلیل بنایا۔ ایسے موقع پر تقدیر کو دلیل بنانا حرام نہیں ہے۔

تقدیر کو دلیل بنانا تب نقصان دہ ہے، جب حال یا مستقبل میں ہو، مثلا کوئی شخص حرام کا ارتکاب کرے یا واجب کو ترک کرے اور کوئی ملامت کرنے والا اسے

ملامت کرے، تو گناہ پر مصرّ رہنے کے لیے تقدیر کی آڑ لے، ایسا شخص تقدیر کے سہارے حق کو ٹھکرا رہا ہے اور باطل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جیسے مشرکین مکہ نے شرک اور غیر اللہ کی پوجا پر تقدیر سے دلیل لی تھی، فرمان باری تعالیٰ ہے :﴿لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا﴾، ﴿لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ﴾ ''اللہ چاہتا، تو ہم اور ہمارے آباء واجداد شرک نہ کرتے۔''، ''رحمٰن چاہتا، تو ہم بتوں کی پوجا نہ کرتے۔'' انہوں نے اپنے عمل کو درست ثابت کرنے لیے تقدیر کا سہارا لیا۔ انہیں اپنے کیے پر ندامت تھی، نہ اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہی شرک کو برائی سمجھتے تھے۔ یہ صورت حال اس شخص کی نہیں ہے، جو اپنے خطا کو بھانپ گیا ہے اور نادم ہو کر آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہے، لہٰذا ایسے شخص کو اگر کوئی سابقہ گناہ پر ملامت کرے، تو وہ کہے: وہ (گناہ) تقدیر کا فیصلہ تھا۔ مسئلہ کی علت یہ ہے کہ جب گناہ (سے توبہ کر لینے سے اس) کی ملامت ختم ہو جائے، تو تقدیر سے دلیل لینا جائز ہے۔ اور جب ملامت موجود ہو، تو تقدیر سے دلیل لینا باطل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قیام اللیل کے ترک پر تقدیر کو دلیل بنایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اعتراض بھی نہیں فرمایا، جیسا کہ صحیح حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو جگایا اور فرمایا: تہجد نہیں پڑھیں گے؟ میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جب چاہے اٹھا دے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بات سن کر واپس چلے گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جب واپس پلٹے، تو اپنی ران پر ہاتھ

مار کرفرمایا: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ''انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔'' جواب یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تقدیر کو حرام یا واجب کے ترک پر دلیل نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے تو یہی کہا: میری اور فاطمہ کی جان اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ ہمیں جب چاہے، اٹھا دے گا اور ہماری روحیں واپس بھیج دے گا۔ نیز یہ بات فرمان نبوی کے ہی موافق ہے، جب وادی میں سب صحابہ سوئے رہ گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، ہماری روحیں قبض کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے، واپس بھیج دیتا ہے۔ اس طرح تقدیر کو دلیل بنانا درست ہے اور ایسا شخص معذور ہے، کیوں کہ سویا ہوا شخص زیادتی کا مرتکب نہیں اور جو شخص زیادتی کا مرتکب نہ ہو، اس کا تقدیر کو دلیل بنانا جائز ہے۔ تقدیر کو دلیل بنانے کی جو صورت سودمند ہے، اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی راہنمائی فرمائی ہے۔ صحیح مسلم (۲۶۶۴) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جسمانی طور پر) طاقت ور مومن، کمزور مومن سے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی زیادہ محبوب ہے، لیکن ہر دو مومن میں خیر ہے۔ اپنے لیے نفع مند چیزوں کی حرص کیجئے، اللہ سے مدد مانگئے، درماندگی کا مظاہرہ مت کیجئے، اگر کوئی مصیبت آن پہنچے، تو آپ کا وظیفہ یہ نہیں ہو چاہیے: اگر میں یوں کر دیتا، تو یوں ہو جاتا، بلکہ یہی کہنا چاہیے: اللہ نے جو تقدیر میں لکھا تھا، کر دیا، کیوں لَوْ (اگر) کا لفظ شیطانی چالبازیوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

(شِفَاء العَليل في مَسائل القَضاء والقَدْر والحِكمة والتّعليل، ص 18)